اسلامی تکافل میں وقف ماڈل کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

Islamic Insurance Laws: A Critical Jurisprudential Analysis of Contemporary Waqaf Model

Dr. Aftab Ahmad
Postdoc fellow IRI, IIU, Islamabad
Email: Dr.aftabahmad@sbbu.edu.pk

Dr. Lutfullah Saqib
Associate Professor of Law and Shariah
Department of Law and Shariah university of Swat
Email: lutsaqib@gmail.con

Abstract

At this time the world has become a global village and human life has developed a lot and man has invented various types of machines to make life easier and to get the necessities of life and is moving forward in further industrial development. But along with this development, the dangers to human life are also increasing day by day, for example, a worker may lose a limb during work, die in an accident or become disabled in any way etc.

It is also human nature that he wants protection from all kinds of risks and wants to compensate the loss as much as possible. On this basis, the insurance system came into existence, which is basically a form of mutual cooperation, but with the increase in its practice, it took the form of business, when the scholars began to examine it carefully, many types of defects were revealed in it, such as usury, gambling and gharar. On the basis of these errors, Allama Ibn Abidin Shami first issued a fatwa on the prohibition of insurance, but insurance has now become a necessity, so the scholars became concerned that an alternative system of insurance should be brought which would be similar to it. The above should be free of all defects, so scholars in Malaysia and the Middle East have suggested an alternative based on donation, while scholars in Pakistan have suggested an alternative Islamic insurance (Takaful) based on Waqf In this article, Islamic insurance based on Waqf and its subjective study and critical analysis will be presented.

تعارف:

اس وقت دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے اور انسانی زندگی بہت ترقی کر چکی ہے اور انسان نے زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اور ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے مختلف قسم کے مشینیں ایجاد کی ہے اور مزید صنعتی ترقی میں آگے بڑھتا جارہا ہے لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو لاحق خطرات میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا

جارہاہے مثلا دوران کام کسی مزدور کا کوئی عضو کا ضائع ہونا، حادثے میں جان سے چلے جانا یا کسی بھی طرح معذور ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر قسم خطرات سے تحفظ چاہتا ہے اور نقصان کی ہر ممکن حد تک تلافی چاہتا ہے اسی بنیاد پر انشورنس کا نظام وجود میں آیا جو بنیادی طور تعاون باہمی کی ایک صورت ہے لیکن اس کے رواج بڑھنے کے ساتھ اس نے کاروبار کی شکل اختیار کی جب علماء کرام نے اس کا بغور جائزہ لینا شروع کیا تو اس میں کئی طرح کی خرابیاں سامنے آگئی جیسا کہ سود، قمار اور غرر۔ ان خرابیوں کے بنیاد پر سب سے پہلے علامہ ابن عابدین شامی[1] نے انشورنس کے حرمت کا فتویٰ دیا لیکن انشورنس اس وقت ایک ضرورت کا درجہ حاصل کر چکا ہے اس وجہ سے علماء کرام فکر مند ہوئے کہ انشورنس کا ایک ایسا متبادل نظام لایا جائے جو مذکورہ بالا تمام خرابیوں سے پاک ہو لہٰذا ملائشیا اور مشرق وسطیٰ کے علماء نے تبرع کے بنیاد پر متبادل کا تجویز پیش کیا جبکہ پاکستان کے علماء نے وقف کے بنیاد پر متبادل اسلامی انشورنس (تکافل) کا تجویز پیش کیا۔ اس آرٹیکل میں وقف کے بنیاد پر اسلامی انشورنس کے فقہی تکییف اور ان کی تحقیقی و تنقیدی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

انشورنس انگریزی کا لفظ ہے اس کو اردو میں "بیمہ" اور عربی میں "تأمین" کہتے ہیں تأمین باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کا مادہ "امن" ہے جس کا معنیٰ ہے نفس کا مطمئن ہونا اورر خوف کا زائل ہونا[2] لہٰذا تأمین کے معنی ہوئے مطمئن کرنا اور خوف کو زائل کرنا اور اس سے کہا جاتا ہے" أمن البلد" جب اہل بلد امن و اطمینان میں ہو جائے اور اٰمنہ علیہ[3] کا معنی ہے اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا جیسا کہ سورۃ یوسف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ[4]" کہنے لگا کہ میں ان کے معاملے پر تم ویسا ہی اعتماد کروجیسا ان کے بھائی یوسف کے معاملے میں کر چکا ہو اور اگر میم مضموم ہو تو اس صورت میں معنی امانتدار ہے اور آمن کا معنی تصدیق کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ[5]" کہ آپ ہمارے تصدیق کرنے والے نہیں اگر چہ ہم سچے ہیں۔ لہٰذا خلاصہ کلام یہ ہے کہ تأمین کا معنیٰ امن اور اطمینان حاصل کرنا ہے۔

تأمین کی اصطلاحی تعریف اس طرح بنے گی کہ انسان کو مستقبل میں جو خطرات آنے والے ہوں کوئی انسان یا ادارہ ضمانت لے لیں کہ فلاں قسم کے خطرات کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے تلافی میں کروں گا۔

حمد بن حماد بن عبد العزیز تأمین کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں"بأنه عقد يلتزم المُؤَمن بمقتضاه أن يؤدي إلى المُؤَمن له مبلغاً من المال أو مرتباً أو أي عوض مالي آخر في حالة وقوع الحادث أو تحقق الخطر المبين في العقد وذلك نظير قسط أو أية دفعة مالية أخرى يؤديها المُؤَمن له للمُؤَمن[6]" *یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں مؤمن لہ،*

مؤمِن کو ممکنہ حادثے یا نقصان کو پورا کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے اور مؤمّن، مؤمّن لہ کو اس کے عوض ایک خاص رقم قسط وار یا یکمشت ادا کرتا ہے۔

دور جدید میں تأمین ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے بڑی بڑی کمپنیاں وجود میں آچکی ہے جن میں کمپنی مؤمّن اور کلائنٹ مؤمّن لہ ہوتا ہے اور کمپنی کلائنٹ سے خاص نقصان کے عوض خاص رقم یکمشت یا قسط وار وصول کرتا ہے اور اس کے بدلے خاص نقصان سے اس کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ مروجہ تأمین میں موجود شرعی خرابیوں کی بنیاد پر جب اس کو حرام قرار دیا گیا[7] تو علماء کرام نے اس کے متبادل کے لئے غور و فکر شروع کیا کہ ایک ایسا نظام لایا جائے جو لوگوں کے دور حاضر کی ضروریات بھی پورا کریں اور جن شرعی خرابیوں کی بنیاد تأمین کو حرام قرار دیا گیا ہے ان خرابیوں سے یہ نظام پاک ہو لہذا اس کا متبادل "تکافل" کے نام سے لایا گیا۔ تکافل کمپنیوں کے نام سے مختلف کمپنیاں وجود میں آگئی ہے جیسا کہ پاک قطر تکافل، تکافل پاکستان لمیٹڈ اور داؤد فیملی تکافل قابل ذکر ہے۔

تکافل کی تعریف:

تکافل عربی زبان کا لفظ ہے جو کفالت سے نکلا ہے اور کفالت ضمانت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں۔ تکافل باب "تفاعل" سے ہے اور اس کا ثلاثی مجرد "کفل" ہے جو "ک، ف، ل" سے مرکب ہے عربی لغت میں یہ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے لسان العرب میں ابن منظور افریقی لکھتے ہیں" والكِفْل: مِنْ مَرَاكِبِ الرِّجَالِ وَهُوَ كِسَاءٌ يؤْخذ فيعقَد طَرَفَاهُ ثُمَّ يُلقَى مقدَّمه عَلَى الكاهِل ومؤخَّره مِمَّا يَلِي العجُز، وَقِيلَ: هُوَ شَيْءٌ مُسْتَدِيرٌ يُتخذ مِنْ خِرَقٍ أَو غَيْرِ ذَلِكَ وَيُوضَعُ عَلَى سَنام الْبَعِيرِ"[8] کفل آدمی کے سوار ہونے کے چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ وہ چادر ہوتا ہے جس کے دونوں اطراف سواری پر باندھے جاتے ہیں پھر اس کا ایک سرا پیٹھ کے آگے کی طرف ڈالا جاتا ہے اور دوسرا سرا پیچھے کی طرف، کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑے کا ایک گول ٹکڑا ہوتا ہے جو اونٹ کے کوہان پر باندھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

1:"الحظ و النصيب اور الضعف و المثل[9]" حصہ، دگنا اور اس کے مثل میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ[10]: کہ وہ اپنی رحمت میں سے تمھیں دو حصے دیگا۔ تو یہاں ضعف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح حدیث جمعہ میں ہے "وَفِي حَدِيثِ الْجُمُعَةِ: لَهُ كِفْلان مِنَ الأَجر ای نصيبان مثلان [11]" کہ اسکے لئے اجر کے دو حصے ہے۔

2: اسی طرح ضمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے:

"وَ (الْكَفِيلُ) الضَّامِنُ وَقَدْ (كَفَلَ) بِهِ يَكْفُلُ بِالضَّمِّ (كَفَالَةً) ، وَ (كَفَلَ) عَنْهُ بِالْمَالِ لِغَرِيمِهِ"[12]

کفیل یعنی ضامن کو کہاجاتا ہے کہ اسنے ضمانت قبول کی۔ اس نے ان کی طرف سے مالی ضمانت قبول کی۔

3: کافل عائل یعنی پرورش کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے :

أنه وكَافِلِ الْيَتِيمِ كهاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ[13] " کہ وہ (آپ ﷺ)اور یتیم کہ کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اسی طرح قرآن میں ہے " و كفلها زكريا[14] " اور زکریا نے ان کی کفالت کی۔

تکافل کی اصطلاحی تعریف: جدید معاشیات دان تکافل کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

Takaful is the Islamic alternative to conventional insurance which is based on the social solidarity, cooperation, and joint indemnification of losses of the members. It is an agreement among the group of people who jointly agree to indemnify the loss or damage that may inflict upon any of them out of the fund they donate collectively.[15]

ایوفی (AAOIFI) کے المعاییر الشرعیۃ میں تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"اتفا ق اشخاص يتعرضون لاخطار معينة على تلافى الاضرار الناشئة عن هذه الاخطار و ذالک بدفع اشتراكات على اسا س الالتزام بالتبرع و يتكون من ذلک صندوق تأمين له حكم الشخصية الاعتبارية، و له ذمة مالية مستقلة،يتم منه التعويض عن الاضرار التى تلحق أحدالمشتركين من جزاء وقوع الاخطار المؤمن منها ـ و يتولى ادارة هذه الصندوق هيئة مختارة من حملة الوثائق "[16]

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا ایک خاص نقصان کے تلافی کرنے کا باہم اتفاق کرتا ہے اس مقصد کے لئے وہ ایک مشترکہ تبرع فنڈ قائم کرتے ہیں جو شخص قانونی ہوگا اور ان کی مستقل مالی ذمہ داری ہوگی اور بیمہ پالیسی کے مطابق واقع شدہ نقصان کا اس فنڈ سے تلافی کی جائے گی اور یہ معاہدے کے شرائط کے مطابق ہوگا۔

مفتی عصمت اللہ لکھتے ہیں " اسلامی انشورنس کا ایسا نظام جو باہمی تعاون و تناصر پر مبنی ہو جہاں تمام شرکاء رسک شئیر کرتے ہیں اور اس طرح باہمی تعاون و تناصر کے طریقے سے مقررہ اصول وضوابط کے مطابق مالی نقصان سے محفوظ رہتے ہیں[17]۔

تکافل 'کی بنیاد بھائی چارے، امدادِ باہمی کے بنیاد پر ہے او' تبرع' کے نظریے پر ہے، جو شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ دورِ دور جدید میں تکافل کو روایتی انشورنس کے متبادل کے طور پر بطور اسلامی انشورنس کے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس نظام میں تمام شرکاء باہم رسک شیئر کرتے ہیں اور شرکا باہمی امداد و بھائی چارے کے اس طریقے سے مقررہ اصول وضوابط کے تحت ممکنہ مالی اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ روایتی انشورنس کے مقابلے میں تکافل کا نظام ایک عقدِ تبرُع ہے جس میں شرکا آپس میں ان خطرات کو تقسیم کرتے ہیں۔

تکافل کی تاریخ:۔ انشورنس کے ابتداء کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کی ابتداء سترھویں صدی میں اٹلی کے تاجران اسلحہ نے کی جب ان کو پتہ چلا کہ بعض اوقات لوگوں کا مال سمندر میں ڈوب جاتا ہے جس کی وجہ

سے ان کا سارا کاروبار ختم ہو تا ہے اور وہ معاشی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا ازالہ بھی ان کے لئے ممکن نہیں تھا اس کا حل یہ نکالا گیا کہ تمام تاجروں پر لازم کیا گیا کہ وہ ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر خاص رقم ادا کریں گے جن سے ان تاجروں کے نقصانات کا ازالہ کیا جائے گا۔ یہ ترقی کرتے ہوئے جہازوں کے بیمہ کی شکل اختیار کی[18]۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بیمہ کی ابتداء اندلس سے ہوئی یہ بھی بحری انشورنس تھا اس کا مقصد بھی تاجروں کو تحفظ فراہم کرنا تھا جن کے سامان سمندر میں ڈوب جاتا یہ دونوں صورتیں جنرل انشورنس کی تھی۔ البتہ لائف انشورنس کی ابتداء انگلستان سے ہوئی ابتداء میں اس کا دائرہ صرف تجہیز و تکفین تک محدود تھا لیکن بعد میں ترقی کرتا ہوا مختلف اعضاء کی انشورنس تک پھیلتا گیا اور یہ لائف انشورنس کی شکل ہے[19] یہ طریقہ باہم تعاون اور عطیات کے بنیاد پر تھا اس وجہ اس کے جواز میں کوئی گفتگو نہیں ہے۔ ضرورت بڑھنے کے ساتھ اس نے آہستہ آہستہ کاروبار کی شکل اختیار کی۔ سرمایہ دار نے نقصان کا اندازہ لگاتے ہوئے ان کو تمام تاجروں پر تقسیم کرتا اور اس میں اپنا نفع شامل کرکے رقم وصول کرتے خود بھی نفع کماتے اور تاجروں کے نقصان کا ازالہ بھی کرتے۔ یہ صورت عقد معاوضہ ہے مروجہ انشورنس کے تمام صورتوں کے پیچھے یہی ذہنیت کار فرما ہے۔

اسلامی انشورنس (تکافل) کی ابتداء:۔ انشورنس کی فقہی تکییف اور اس میں موجود خرابیوں کے بناء پر جب جمہور علماء نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تو علماء نے اس کے متبادل نظام کے بارے میں غور وفکر شروع کیا کہ ایک ایسا متبادل پیش کیا جائے جو ان خرابیوں سے پاک ہو اور لوگوں کی ضرورت بھی پورا کریں چنانچہ 1976 میں عرب علماء کونسل نے تکافل کے جواز کا فتویٰ جاری کیا اور 1985ء میں انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی نے اس فتویٰ کی توثیق کی۔ اس کے بعد تکافل کمپنیاں وجود میں آنا شروع ہو گیا۔

2005 میں پاکستان میں تکافل رولز کے اجراء کے بعد تکافل کمپنیاں وجود میں آنا شروع ہو گئے چنانچہ سب سے پہلے 2005ء میں "پاک کویت تکافل کمپنی لمیٹڈ" نے کام شروع کیا اور اب تک مختلف کمپنیاں جیسا کہ تکافل پاکستان لمیٹڈ، پاک قطر تکافل کمپنی اور داؤد فیملی تکافل کمپنیاں وجود میں آچکے ہیں[20]۔

تکافل کی اقسام: تکافل کی دو اقسام ہیں۔ 1: جنرل تکافل 2: فیملی تکافل

جنرل تکافل: تکافل کی اس قسم میں اثاثہ جات (Assets) جیسا کہ جہاز، مکان اور دکان وغیرہ کا انشورنس ممکنہ خطرات کے نقصانات کی تلافی کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر انشورڈ اثاثہ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کی تلافی وقف فنڈ کے لئے مخصوص اکاؤنٹ سے کی جاتی ہے کمپنی اس فنڈ کی تنظیم کرتی ہے اور اس کے عوض وکالہ فیس وصول کرتی ہے اور فنڈ میں موجود رقم کو مضاربہ کے بنیاد پر کاروبار میں لگاتی ہے اس صورت میں کمپنی مضارب ہوتی ہے جبکہ وقف فنڈ رب المال ہوتا ہے اور نفع کا ایک خاص فیصد مضارب کو ملتا ہے جبکہ باقی حصہ وقف فنڈ میں جاتا ہے[21]۔

فیملی تکافل:

فیملی تکافل میں انسانی زندگی کو ممکنہ خطرات سے بچاؤ کے لئے تکافل رکنیت فراہم کی جاتی ہے۔ اس تحفظ کے ساتھ ساتھ سرمایہ کاری کی سہولت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جب پالیسی ہولڈر تکافل کمپنی میں پالیسی حاصل کرتا ہے تو مخصوص مدت مثلاً پانچ، دس یا پندرہ سال تک وہ ماہانہ یا ششماہی یا سالانہ بنیاد پر ایک خاص رقم (پریمیم) کمپنی کو ادا کرتا ہے جس میں سے کچھ رقم وقف فنڈ میں جاتی ہے جبکہ باقی رقم شرکاء سرمایہ کاری اکاؤنٹ (Participant's investment account) میں جمع ہوتی ہے[22]۔

تکافل ماڈلز: جن ماڈلز کو بنیاد بنا کر اسلامی انشورنس کا بنیاد رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

1: ہبۃ الثواب: ایسا ہبہ جس میں اس کے بدلے میں عوض کا شرط لگایا گیا ہو ہبۃ الثواب کہلاتا ہے۔ اس ماڈل کے بنیاد پر خلیجی ممالک میں تکافل کمپنیاں قائم کی گئی ہے۔

2: التزام تبرع: جب کوئی شخص اپنے اوپر کوئی خیر اور بھلائی کا کام لازم کریں اس کو التزام تبرع کہلاتا ہے یہ ماڈل ملائشیا میں تکافل کمپنیوں میں رائج ہے۔

3: وقف: کسی بھی چیز کو اللہ کی ملکیت میں دیکر اور ان کے اصل کو باقی رکھ کر اس کے منافع سے استفادہ کیا جائے تو اس کو وقف کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں تکافل کمپنیاں وقف کی بنیاد پر کام کرتی ہے۔[23]

وقف کی بنیاد پر اسلامی انشورنس کا طریقہ کار:

پاکستان، ہندوستان اور دیگر چند ممالک میں جن تکافل کمپنیوں کی بنیاد رکھا گیا ہے ان میں سے اکثریت کی بنیاد "وقف" پر ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے علماء جیسا کہ مفتی محمد شفیع، مفتی ولی حسن ٹونکی اور یوسف بنوری نے جب مروجہ انشورنس کے متبادل پر غور و فکر شروع کیا تو ان حضرات نے عقود تبرعات میں سے "وقف" کو بنیاد بنا کر بطور متبادل پیش کیا۔

1834ھ میں مجلس تحقیق حاضرہ نے جس کا اجلاس جامعہ دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع کے زیر صدارت ہوا تھا انہوں نے جو متبادل تجویز کیا تھا اس کی بنیاد وقف اور مضاربت پر رکھی گئی تھی اور اسی اجلاس کی فیصلوں کے نتیجے میں مفتی محمد تقی عثمانی نے وقف کے بنیاد پر تکافل ایک ڈھانچہ تیار کیا[24] چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی وقف کو تکافل کا بنیاد بنانے کے بارے میں لکھتے ہے کہ "تکافل فنڈ کو ایک تعاونی پول قرار دیا جائے۔ جب شرکاء کو نقصان پہنچے تو یہ پول ان نقصان کی تلافی کرے گا اور شرکاء اس پول کو جو عطیات دیں گے وہ خالص تبرع کے نیت سے ہو اور کسی بھی چیز کے ساتھ مشروط نہ ہو تاکہ نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکے اور نہ عطیہ کردہ شخص کے انتقال کے بعد اس پر میراث کے احکام جاری ہو سکے۔[25]

ڈاکٹر عصمت اللہ لکھتے ہے کہ تکافل کمپنی کے مالکان کچھ رقم وقف کر کے وقف پول قائم کرتے ہیں یہ رقم سیڈنگ اماؤنٹ(Seeding amount) کہلاتی ہے یوں یہ وقف ملک للہ ہوتا ہے اور یہ ایک قانونی شخصیت ہوتی ہے جو وقف فنڈ کے اصل رقوم، منافع اور عطیات کا مالک ہوتا ہے اور اس فنڈ کے اخراجات کے اسے صوابدیدی اختیارات حاصل ہوتے ہیں چنانچہ وقف فنڈ سے شرکاء کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ چندے کی عوض نہیں ہوتے بلکہ عطامستقل ہوتا ہے جو وقف اپنے شرائط کے مطابق واقف کو دے دیتا ہے۔ جسے[26] PTF کہتے ہیں PTF وقف نہیں ہوتا بلکہ وقف کی ملکیت شمار ہوتا ہے اور آخر میں وقف کی تحلیل کی صورت میں سیڈنگ فنڈ کو جاری رہنے والے کسی بھی کار خیر میں خرچ کرنا ضروری ہے کمپنی اس سارے عمل پر انتظام کی فیس لیتی ہے اور فنڈ کو مضاربہ پر لگانے کی وجہ سے بحیثیت مضارب نفع بھی حاصل کرتی ہے[27]۔

تکافل یعنی اسلامی انشورنس کا جو نظام رائج کیا گیا ہے۔ وہ وقف اور اس کے چار قواعد پر مبنی ہے۔ جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

ومن هنا ظهرت الحاجة الى ان تكون هذه المحفظة على اساس الوقف فان الوقف له شخصية اعتبارية في كل من الشريعة والقانون "[28]

اس سے یہ ضرورت ظاہر ہوئی کہ انشورنس کا فنڈ وقف کی بنیاد پر ہونا چاہیے کیونکہ وقف کو قانون و شریعت دونوں میں قانونی واعتباری شخصیت حاصل ہے لہذا وقف کے جن قواعد کا مفتی تقی عثمانی نے ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

1۔ **نقدی کا وقف درست ہے۔**

2۔ **واقف اپنے کئے ہوئے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے۔**

3۔ **وقف کو جو تبرع یعنی چندہ ملتا ہے وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے خود وقف نہیں بنتا۔**

4۔ **وقف کیلئے ناگزیر ہے کہ وہ بالآخر ایسی مد کیلئے ہو جو کبھی ختم نہ ہو مثلا فقراء کے لئے ہو۔**

5۔ **وقف قانون شخصی ہے جو ایک عاقل بالغ انسان کی طرح تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔**

وقف کے ان قواعد پر مبنی نظام تکافل کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

1- تنشئ شركة التامين الاسلامى صندوقا للوقف وتعزل جزءا معلومامن رأس مالها يكون وقفا على المتضررين من المشتركين في الصندوق حسب لواء الصندوق و على الجهات الخيرية فى النهاية ... فيقى هذا الجزء المعلوم من النقود مستمرا بالمضاربة وتدخل الارباح في الصندوق اغراض الوقف[29]

تکافل یا اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف کا ایک فنڈ قائم کرتی ہے جو اولاتو فنڈ میں شریک ان لوگوں کیلئے ہو گا جو فنڈ کی شرائط کے مطابق کسی حادثاتی نقصان کا شکار ہوئے ہوں اور بالآخر نیکی کے ختم نہ ہونے والے کاموں کیلئے ہو گا۔ فنڈ کے سرمایہ کو مضاربت پر دیا جائے گا اور حاصل ہونے والے نفع کو فنڈ کے مقاصد میں خرچ کیا جائے گا۔

مزید کمپنی کے قانونی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: کمپنی ایک شخص قانونی ہو گی اور ان کو وہ تمام تصرفات کا اختیار ہو گا جو ایک عاقل بالغ شخص کو حاصل ہوتا ہے:

ان صندوق الوقف لا یملکه احد وتکون له شخصیة معنویة یتمکن بها من ان یتملك الأموال ویستثمرها ویملکها حسب اللوائح المنظمة لذلك[30]۔

وقف فنڈ کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ اس کی خود اپنی معنوی شخصیت ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ مالک بنتا ہے اور مالک بناتا ہے۔:

پالیسی ہولڈر جو پالیسی لیناچاہے تو وہ ایک خاص رقم وقف کو تبرع ادیگا اور وہ وقف کی ملکیت ہو گی لکھتے ہیں:

ان الراغبین في التامین یشترکون في عضویة الصندوق بالتبرع الیه حسب اللوائح [31]۔

انشورنس میں دلچسپی لینے والے فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کو چندہ دے کر فنڈ کے ممبر بن سکتے ہیں۔

جب وہ ممبر بن گئے اور وقف کو تبرعا چندہ دے دیا تو وہ رقم وقف نہیں ہو گا بلکہ وقف کی ملکیت ہو گی اور وقف فنڈ ان کو مضاربہ کی بنیاد پر نفع بخش کاروبار میں لگائے گا اور پالیسی ہولڈر کا جو بھی نقصان ہو گا وہ چندے کی رقم اور اس کے منافع سے پورا کیا جائے گا۔

چنانچہ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

ما یتبرع به المشترکون یخرج من ملکهم و یدخل في ملکالصندوق الوقفی، وبما انه لیس وقفا وانما هو مملوك للوقف فلا یجب الاحتفاظ ببائع التبرع کما یجب في النقود الموقوفة وانماتستثمر لمصالح الصندوق وتصرف مع ارباحها لدفع التعویضات و اغراض الوقف الاخری[32]

انشورنس پالیسی لینے والے وقف فنڈ کو جو چندہ دیں گے وہ ان کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا خود وقف نہ ہو گا۔ لہذا اس رقم کی اس طرح سے حفاظت واجب نہ ہو گی جس طرح وقف رقم کی واجب ہوتی ہے۔ وقف فنڈ کے فائدے کے لئے چندہ کی رقم کو بھی نفع بخش کاروبار میں لگایا جائے گا اور چندے کی اصل رقم کو اس کے منافع سمیت نقصانات کی تلافی کیلئے اور وقف کے دیگر مقاصد کیلئے خرچ کیا جا سکے گا۔

وقف فنڈ جو شرائط نقصان کے ازالے کے لئے طے کرے گی ان کی تصریح کرے گی اور اس کے مطابق پایسی ہولڈر نقصان کے ازالے کے لئے دعویٰ کا حقدار تصور ہو گا:

تنص لائحة الصندوق علی شروط استحقاق المشترکین للتعویضات ومبالغ التبرع التي یتم به الاشتراك في کل نوع من انواع التعیین[33]

فنڈ کا شرائط نامہ ان شرائط کی تصریح کرے گا جن پر پالیسی لینے والے بیمہ کی رقم کے حقدار بنیں گے۔

آخر میں پالیسی ہولڈر ہولڈر کو جو ادائیگی ہو گی یا نقصان کا ازالہ ہو گا تو وہ اس کا دعویٰ اس بنیاد پر نہیں کر سکے گا کہ انہوں نے وقف فنڈ کو چندہ دیا تھا بلکہ وہ وقف کے شرائط کے بناء پر دعویٰ کرے گا جس سے یہ عقد معاوضہ سے نکل جائے گا۔

ما يحصل عليه المشتركون من التعويضات ليس عوضا عما تبرعوابه وانما هو عطاء مستقل من صندوق الوقف لدخولهم في جملةالموقوف عليهم حسب شروط الوقف [34]۔

پالیسی لینے والوں کو بیمہ کی جو رقم ملے گی وہ ان کے چندے کا عوض نہیں ہو گی بلکہ وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کے حقدار بننے کی وجہ سے ملے گی۔

حيث ان الصندوق الوقفى مالك لجميع امواله بما فيه ارباح النقودالوقفية والتبرعات التي قدمها المشتركون مع ما كسبت من الارباح بالاستثمار فان للصندوق التصرف المطلق في هذه الاموال حسب الشروط المنصوص عليها في لوائحه فللصندوق ان يشترط على نفسه بما شاء بشان ما يسمى الفائض التاميني فيجوز ان يمسكه فيالصندوق كاحتياطي لما قد يحدث من النقص في السنوات المقبلة ويجوز ان يشترط على نفسه في اللوائح ان يوزعه كلا او جزءا منه على المشتركين. وربما يستحسن ان يقسم الفائض على ثلاثة اقسام : قسم يحتفظ به كاحتياطى، وقسم يوزع على المشتركين لتحلية الفرق الملموس بينه وبين التامين التقليدي بشكل واضح لدى عامة الناس، وقسم يصرف في وجوه الخير لابراز الصفة الوقفية للصندوق كل سنة[35] -

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وقف فنڈ میں درج ذیل رقوم ہوں گے:

1: پالیسی لینے والوں کے چندے

2: وقف نقدی سے حاصل ہونے والا نفع

3: چندوں سے حاصل ہونے والے منافع نیز وقف فنڈ کو اختیار ہے کہ وہ ان رقموں میں وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق تصرف کرے۔ لہٰذا وقف فنڈ خالص نفع میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے مثلاً وہ اس خالص نفع کو اختیار کے طور پر اپنے پاس رکھے تاکہ آئندہ سالوں میں ہونے والے اتفاقی نقصان اور خسارے سے بچ سکے یا وہ پورے خالص نفع کو یا اس کے ایک حصہ کو فنڈ کے ممبران میں تقسیم کرے۔ ایک حصہ نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تاکہ فنڈ کا وقف ہونا بھی واضح رہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

ان شركة التامين التي تنشئ الوقف تقوم بادارة الصندوق واستثمارامواله اما ادارة الصندوق فانما تقوم به كمتول للوقف فتجمع بهذه الصفة التبرعات وتدفع التعويضات وتتصرف في الفائض حسب شروط الوقف وتفصل حسابات الصندوق من حساب الشركة فصلاتاما وتستحق لقاء هذه الخدمات اجرة واما استثمار اموال الصندوق فيمكن ان تقوم به كوكيل للاستثمار فتستحق بذلك اجرة او تعمل فيها كمضارب فتستحق بذلك جزءا مشاعا منالارباح الحاصلة بالاستثمار[36]-

انشورنس کمپنی وقف فنڈ کا انتظام کرے گی اور اس کے مال کو بڑھائے گی۔ انتظام-انشورنس کمپنی وقف کے متولی کی طرح انتظام کرے گی یعنی پالیسی لینے والوں سے چندے وصول کرے گی، حقداروں کے نقصان کا تدارک کرے گی، خالص نفع کو فنڈ کی شرائط کے مطابق تقسیم کرے گی اور فنڈ کے حسابات کمپنی کے حسابات سے الگ رکھے گی۔ ان سب خدمات پر کمپنی اجرت لے گی۔ مال بڑھاتا۔ اس کے لئے کمپنی وکیل بالاجرت بن کر کام کرے گی یا مضارب کی طرح کام کرے گی اور اپنے حصہ کا نفع لے گی۔

وعلی هذا الاساس يمكن ان تكسب الشركة عوائد من ثلاث جهات اولا باستثمار راس مالها وثانيا باجرة ادارة الصندوق، وثالثا بنسبة من ربح المضاربة[37]۔

اس طرح کمپنی تین طریقوں سے فائدہ حاصل کرے گی۔وقف فنڈ کے انتظام کی اجرت سے۔اپنے سرمایہ کے منافع سے مضاربت میں نفع کے حصہ سے۔

یہ جو ماڈل وقف کے بنیاد پر مفتی تقی عثانی نے اپنے مقالہ میں پیش کی ہے ان کی فقہی تکییف کے بعد ان پر درج ذیل اشکالات کی جاتی ہے۔

وقف علی النفس کی شرعی حیثیت، قانون شخصی کی شرعی حیثیت، نقدی کے وقف کی شرعی حیثیت نیز آیا یہ ماڈل عقد معاوضہ سے نکل گیاہے یا اب بھی اس میں عقد معاوضہ کی خرابی پائی جاتی ہے؟ ذیل میں ہر ایک کا الگ الگ تفصیل جائزہ پیش کیاجاتا ہے۔

کمپنی کا لغوی معنی شرکت کا ہے اور کبھی رفقائے کار کو بھی کہتے جیسا کہ "فلاں اینڈ کمپنی" لکھاہوتا ہے۔

شرکت کے بنیادی طور پر دو اقسام ہے[38]۔

1۔ **شرکتِ ملک** :اس شرکت کو کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ آدمی کسی مال کے مالک ہونے میں شریک ہو جائیں۔خواہ میراث کی صورت میں ہوں یا ہبہ کی صورت میں یا مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدا ہو۔شرکتِ ملک کا حکم یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصے کا مالک ہیں، ہر ایک اپنے شریک کے حق میں دو دوسرے کے لئے اجنبی ہیں اور دوسرے کے حصے میں کسی قسم کا تصرف اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

2۔**شرکتِ عقد** :دو یا دو سے زیادہ افراد کا مال اور منافع میں شریک ہونے کا معاملہ طے کرنا شرکت عقد کہلاتا ہے۔

شرکت عقد کی تین قسمیں ہیں:

1۔ **شرکتِ اموال** :دو یا زائد آدمیوں کا اس طور پر معاملہ کرنا کہ وہ اپنے متعین کردہ مال میں تجارت کریں گے اور نفع اور نقصان میں خاص تناسب سے شریک ہوں گے۔

2۔ **شرکتِ اعمال** :دو یا زائد افراد کا اس طور پر معاملہ کرنا کہ وہ خاص قسم کا کام (جیسے لوہے کا کام کرنا یا عمارت بنانا وغیرہ) کریں گے اور اس میں جو بھی منافع ہو گی، اس میں شریک ہوں گے۔

3۔**شرکتِ وجوہ** :اس قسم میں دو یا زیادہ افراد اپنے تعلقات کی بنا پر لوگوں سے ادھار پر خرید کر فروخت کرتے ہیں اور جو نفع ہوتا ہے اسے آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔پھر ان میں ہر ایک دو قسم پر ہے :**شرکتِ مفاوضہ** اور **شرکت عنان**۔

1۔ **شرکتِ مفاوضہ :** اس عقد میں دونوں شریک، مال میں، تصرف کرنے میں، نفع میں، ایک دوسرے کا کفیل بننے میں اور قرضہ وغیرہ کی ذمہ داری میں برابر کے شریک ہوں۔

2۔ **شرکتِ عنان :** جس میں دونوں شریک، مال میں، تصرف کرنے میں، نفع میں، ایک دوسرے کا کفیل بننے میں اور قرضہ میں برابر کے شریک نہ ہوں[39]۔

کمپنی کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہے، ان کے لحاظ سے کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں سے کسی میں بھی داخل نہیں۔ کمپنی کا یہ نظام ان اقسام میں سے کسی میں بھی تمام شرائط کے ساتھ پوری داخل نہیں، اب یہاں علمائے معاصرین کے تین نقطہ نظر ہیں، ایک یہ کہ چونکہ شرعاً شرکت ان اقسام میں منحصر ہے اور کمپنی ان میں سے کسی میں بھی بتمام و کمال داخل نہیں، لہذا یہ جائز نہیں۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ محض اس بناپر کہ کمپنی ان اقسام میں داخل نہیں، لہذا اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جو اقسام ذکر کی ہیں وہ منصوص نہیں، بلکہ فقہاء نے شرکت کی مروجہ صورتوں کا استقراء کرکے اس کی تقسیم کی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں بھی یہ تصریح نہیں کہ جو صورت ان اقسام سے خارج ہو وہ جائز نہیں ہوگی، لہذا اگر شرکت کی کوئی صورت ان اقسام میں داخل نہ ہو اور شرکت کے اُصول منصوصہ میں سے کسی کے خلاف بھی نہ ہو تو وہ جائز ہوگی[40]۔

تیسرا نقطہ نظر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ کمپنی اپنی حقیقی حقیقت کے اعتبار سے شرکت عنان میں داخل ہے[41] اگرچہ کمپنی کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو معروف شرکت عنان میں نہیں پائی جاتیں لیکن ان کی وجہ سے شرکت عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔۔

کمپنی کا اپنا ایک مستقل قانونی وجود ہوتا ہے جس کو شخص قانونی" کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شخص قانونی کا تصور شرعاً موجود ہے یا نہیں؟

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: جائزہ لینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں اگرچہ "شخص قانونی" کی اصطلاح موجود نہیں، لیکن اس کے نظائر موجود ہیں۔ اگر ان نظائر میں غور کیا جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شخص قانونی کا ایک تصور موجود ہے اور ان کا اپنا ایک قانونی حیثیت برقرار رہے جس کے بناء پر کمپنی پر کئی طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے[42]۔

ان نظائر میں سے چند درج ذیل ہے:

1۔ وقف: حقیقت میں یہ ایک شخص قانونی ہے، اس لئے کہ وقف مالک ہوتا ہے، مسجد یا وقف کو چندہ دیا جائے یا کوئی اور چیز دی جائے تو وہ چندہ یا دیگر عطیات وقف نہیں ہوتے جب تک کہ ان کے وقف ہونے کی

تصرف نہ کر دی جائے، بلکہ وقف کے مملوک ہوتے ہیں اور وقف مالک ہوتا ہے۔ وقف دائن بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کی زمین کرایہ پر لیتا ہے تو یہ کرایہ وقف کا دین ہے اور وقف دائن ہے۔ ایسے ہی وقف مدیون بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کا ملازم ہے تو اس کی تنخواہ وقف کے ذمے دین ہے۔ عدالت میں مقدمہ ہوا تو وقف مدعی اور مدعاعلیہ بھی ہو سکتا ہے، اور متولی اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ مالک ہونا، دائن ہونا، مدیون ہونا، مدعی یا مدعاعلیہ ہونا شخص کے اوصاف میں سے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وقف شخص قانونی ہے[43]۔

2۔ **بیت المال:** بیت المال کے مال سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، مگر ہر شخص اس مال میں ملک کا دعوی نہیں کر سکتا، اس مال کا مالک بیت المال ہی ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ بیت المال بھی ایک شخص قانونی ہے، بلکہ فقہاء کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کی ہر مد ایک مستقل شخص قانونی ہے۔ بیت المال کے دو الگ الگ حصے ہیں، بیت مال الصدقہ ، اور بیت مال الخراج، امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک حصے میں مال نہ ہو تو بوقت ضرورت دوسرے حصے سے قرض لیا جا سکتا ہے۔ تو اس صورت میں جس حصے سے قرض لیا گیا وہ دائن اور جس حصے کے لئے قرض لیا گیا وہ مدیون ہو گا۔ دائن یا مدیون تو شخص ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ بیت المال کو بھی شخص فرض کر لیا گیا ہے۔

3: **ترکۃ مستغرق بالدین:** کسی میت کا سارا ترکہ دیون سے مستغرق ہو یعنی میت کا قرضہ اس کے ترکہ سے زیادہ ہو تو اس صورت میں دائن کا مدیون نہ میت ہے، اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص مدیون نہیں ہوتا، اور نہ ورثاء مدیون ہیں، اس لئے کہ ان کو تو میراث ملی ہی نہیں، لہذا یہاں مدیون ترکہ ہو گا جو شخص قانونی ہے۔

4: **خلطۃ الشیوع:** یہ نظیر حنفیہ کے مذہب کے مطابق نہیں، بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہے، ان کے ہاں اگر مال زکوۃ کئی شخصوں میں مشاع طور پر مشترک ہو تو زکوۃ انفرادی حصوں پر نہیں، بلکہ مجموعے پر ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ ایک شخص قانونی ہے۔ "خلطۃ الشیوع اور کمپنی کے نظام میں یہ فرق ہے کہ "خلطۃ الشیوع میں ائمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعے پر زکوۃ ہوتی ہے، پھر ہر شریک کی انفرادی ملکیت پر زکوۃ نہیں ہوتی، اور کمپنی کے نظام میں کمپنی پر الگ ٹیکس ہوتا ہے، اور شیئر ہولڈرز پر الگ ٹیکس ہوتا ہے۔ ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ "شخص قانونی کا تصور قدیم دور سے موجود ہے۔[44] اگر اوپر ذکر کردہ امور کا ہم بغور جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان مثالوں میں اور قانون شخصی میں بعد المشرقین ہے

وقف اور بیت المال: جو حضرات کمپنی کو قانون شخصی تسلیم کرتے ہیں وہ ان کے لئے وہ تمام خصوصیات تسلیم کرتے جو ایک عاقل بالغ شخص سرانجام دے سکتا ہے جیسا کہ بائع و مشتری کا ہونا، مدعی اور مدعی علیہ کا ہونا، وکیل اور مؤکل کا ہونا وغیرہ وغیرہ اس پر سب سے پہلے یہ عرض کی جاتی ہے کہ ان اجتماعی کاروبار کی صورتیں قدیم دور سے چلی

آ رہی ہے اور یہ فقہائے کرام سے کسی طرح پوشیدہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود جتنا بھی قدیم فقہ کی کتابیں ہے کسی میں بھی یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی اور نہ ان کا کوئی تصور پایا جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ شخص معنوی کو وقف اور بیت المال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ کسی ذمہ داری کا اہل ہونا فقہاء کرام کے بقول صرف اور صرف عاقل بالغ آدمی کا خاصہ ہے۔

امام سرخسی اہلیت وجوب کے بارے میں لکھتے ہیں:" فنبدأ بِبَيَان أَهْلِيَّة الْوُجُوب فَنَقُول أصل هَذِه الْأَهْلِيَّة لَا يكون إِلَّا بعد ذمَّة صَالِحَة لكَونهَا محلا للْوُجُوب فَإِن الْمحل هُوَ الذِّمَّة وَلِهَذَا يُضَاف إِلَيْهَا وَلَا يُضَاف إِلَى غَيرهَا بِحَال وَلِهَذَا اخْتصَّ بِهِ الْآدَمِيّ دون سَائِر الْحَيَوَانَات الَّتِي لَيست لَهَا ذمَّة صَالِحَة[45]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ذات ذمہ داری قبول کر سکتی ہے جس میں اس کی اہلیت پائی جاتی ہے اور اسی اہلیت ذمہ داری کے ے بناء پر اس کو اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا جاتا ہے اور اسی کی طرف نسبت کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ساری ذمہ داری بالغ عاقل شخص کے ساتھ خاص کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہ کسی ذمہ کے وجوب کے لئے اہلیت ضروری ہے اور کمپنی میں وہ اہلیت نہیں اس وجہ سے کمپنی جو کہ اصل میں شخص معنوی ہے اس پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترکہ کا وجود لازمی ہے جو کہ اس میں موجود نہیں۔ اسی طرح کمپنی کی معنوی حیثیت کو وقف اور بیت المال کی معنوی حیثیت پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کئی وجوہ سے بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔-1 وقف اور بیت المال کے لئے انسان کے مالکانہ و متصرفانہ اوصاف کا ماننا، خلاف قیاس ہے۔

اصول سرخسی میں ہے:" لأن القياس كما تقدم عبارة عن إثبات مثل حكم الأصل في الفرع، وإنما يتصور ذلك عند مماثلة الوصف الموجود في الفرع للوصف الموجود في الأصل، وإلا لم يحصل بين الحكمين تماثل، وإذا وجب تماثل الوصفين وجب عدم التفاوت بينهما[46]. "اصل میں قیاس اصل کے حکم کو فرع میں ثابت کرنا ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب کہ اصل اور فرع مشترکہ وصف موجود ہو اگ مشترکہ وصف موجود نہ ہو تا تو اصل کا حکم فرع پر نہیں لگایا جا سکے گا کیونکہ اصل اور فرع میں کوئی تماثل نہیں ہو گا اور جب تماثل پایا گیا تو دونوں ایک جیسے ہو گئے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

اصول الفقہ الاسلامی" میں ہے:

وقد اشترط تماثل العلة في الفرع والاصل، لأن القياس عبارة عن اثبات مثل حكم الأصل في الفرع ، واثبات مثل الحكم يتصور عند مماثلةالوصف الموجود في الفرع للوصف الموجود في الأصل وإلا لم يتحقق التماثل بين الحكمين، ويقال للقياس الذي لم يتحقق فيه هذا الشرط قياس مع الفارق الخ[47]

اس عبارت کا بھی یہی مطلب ہے کہ اصل اور فرع میں مشترکہ وصف کا پایا جانا ضروری ہے اگر مشترکہ وصف موجود نہ ہو تو یہ قیاس مع الفارق ہو گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وقف اور بیت المال کو بظاہر بعض ذمہ داریوں کا اہل قرار دینا خلاف قیاس ہے اور یہ نوبت ایک خاص ضرورت و احتیاج کے تحت پیش آرہی ہے، وہ یہ کہ حقوق عامہ اور خاصہ کا تحفظ ممکن بنایا جاسکے، کیونکہ بیت المال اور وقف کے ساتھ مختلف النوع حقوق وابستہ ہوتے ہیں ورنہ وہ ضائع ہو جائیں گے۔ لہذا خلاف قیاس اور غیر معقول امر، اصولاً مقیس علیہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔

کشف الاسرار میں ہے: قَوْلُهُ (وَأَمَّا الْعِلَّةُ مَعْنًى وَحُكْمًا لَا اسْمًا) فَهِيَ الْوَصْفُ الْآخِرُ وُجُودًا مِنْ عِلَّةٍ ذَاتِ وَصْفَيْنِ مُؤَثِّرَيْنِ وَاحْتَرَزَ بِهَذَا الْقَيْدِ عَمَّا إذَا تَوَقَّفَ الْحُكْمُ عَلَى وَصْفَيْنِ أَحَدُهُمَا مُؤَثِّرٌ فِيهِ دُونَ الْآخَرِ فَإِنَّ الْوَصْفَ الْمُؤَثِّرَ هُوَ الْعِلَّةُ وَالْوَصْفَ الْآخَرَ شَرْطٌ أَمَّا كَوْنُهُ عِلَّةً حُكْمًا فَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُوجَدُ عِنْدَهُ وَيُضَافُ إلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ أَيْ الْوَصْفَ الْمَوْجُودَ آخِرًا شَارَكَ الْأَوَّلَ فِي الْوُجُوبِ۔[48]

2: وقف اور بیت المال کے ساتھ عام افراد کا انتفاع کا حق ہوتا ہے مالکانہ حقوق نہیں ہوتے جبکہ تکافل میں پالیسی ہولڈر کا مالکانہ حقوق ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے۔

3: کمپنی ناکام ہو جائے تو کمپنی کے اثاثے، کمپنی کے شرکاء کی طرف حصص کے تناسب سے لوٹا دیے جاتے ہیں حتی کہ شخص قانونی مرحوم کے حصہ کے ورثاء بھی یہی شرکاء ہوتے ہیں۔ جبکہ وقف اور بیت المال کے خراب ہونے کی صورت میں کسی کا خاص حصہ ہوتا ہی نہیں۔

فتاوی شامی میں ہے:

" أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره ، بل صار على حكم ملك الله تعالى الذى لا ملك فيه لأحد سواه ، وإلا فالكل ملك لله تعالى ، واستحسن في الفتح قول مالك رحمه الله تعالى أنه حبس العين على ملك الواقف فلا يزول عنه ملكه، لكن لا يباع ولا يورث ولا يو هب مثل ام الولدوالمدير وحققه بما لا مزيد عليه قلت: الظاهر أن هذا مراد شمس الأئمةالسرخسي حيث عرفه بأنه حبس المملوك عن التمليك من الغير، فإن الحبس يفيد أنه باق على ملكه كما كان وأنه لا يباع ولا يوهب[49]

شخص قانونی کے تصور کی تائید میں پیش کردہ تیسری نظیر ترکۂ مستغرق بالدین " ہے۔ استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اگر میت کا سارا ترکہ دیون میں ڈوبا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دائیں کا مدیون مطلوب نہ بیت ہے نہ ورثہ ہیں، بلکہ "مدیون" ترکہ ہوگا، جو شخص قانونی ہے۔ یہ استدلال کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

جب ہم قرآن و حدیث میں غور و فکر کرتے ہیں تو کئی ایسے نصوص ہے جس میں دین کی نسبت "میت" کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ رسول ﷺ نے جنازہ پڑھاتے ہوئے پوچھا تھا بخاری شریف میں ہے:

عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه: أن النبي ﷺ أتي بجنازة ليصلي عليها، فقال: «هل عليه من دين؟»، قالوا: لا، فصلى عليه، ثم أتي بجنازة أخرى، فقال: «هل عليه من دين؟»، قالوا: نعم، قال: «صلوا على صاحبكم»، قال: أبو قتادة علي دينه يا رسول الله، فصلى [50]

اسی طرح دوسری جگہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ [51]

ان روایات سے صاف واضح ہے کہ مدیون تو "میت" ہی ہے گو کہ باعتبار "ماکان" کے ہی، پس میت کی بجائے ترکہ کو مدیون کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری بات جہاں تک دیون کے ترکہ پر استغراق کا تعلق ہے وہ اسلئے نہیں کہ ترکہ شخص قانونی ہے، وہ واجبات کی ادائیگی اور ذمہ داریاں قبول کرنے کا اہل ہے، بلکہ اس نسبت کی دو وجنہیں ہیں۔ایک یہ کہ "دیون" میت کے ان واجب الاداء مالی حقوق میں سے ہے جو دیگر حقوق سے پہلے میت کے مال متروکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اگر دیون ترکہ کے برابر یا ترکہ سے زیادہ ہوں تو پھر میت کا کوئی اور قولی فعلی تصرف یا حق ترکہ سے متعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ قرض اور دین کی یہ ترجیح نص سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ میت سے مطالبہ کی صورت باقی نہیں، اس لئے قرض خواہ کا حق مطالبہ میت کی بجائے اس کے ترکہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اگر میت (حقیقی انسان) زندہ ہوتا تو یہ مطالبات اور اس کے بعد والے درجوں کے مطالبات اس سے کئے جاتے ہیں۔ میت سے مطالبہ کی صورت کے ساقط ہونے سے یہ مفہوم نہیں لیا جاسکتا کہ وہ مدیون نہیں بلکہ شخص قانونی (مال، ترکہ) مدیون ہے، اس حقیقی انسان مردہ ہی کیوں نہ ہو وہ ہمارے ہاں ہزاروں فرضی انسانوں اور بے تحاشہ بینک بیلنس سے زیادہ قابل قدر اور قابل احترام ہے[52]۔

(ج) جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ "میت" ہی دراصل مدیون ہے نہ کہ اس کا ترکہ میت سے مطالبہ کا امکان ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدیون (میت) کا ذمہ بالکلیہ ساقط اور فارغ ہو گیا، یعنی میت سے مطالبہ کا حق ساقط ہونے سے حق و ذمہ کا خاتمہ سمجھنا غلطی ہے، جس طرح عدالت کی طرف سے رد دعوی سے سقوط احق سمجھنا غلط ہے، کیونا۔ تقادم زمان سے حق ساقط نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی مطالبہ کا حق باقی نہ رہنے سے حق ساقط نہیں ہوتا ہے، اس پر تین شواہد پوری وضاحت سے دلالت کرتے ہیں: ایک تو مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "میت" کا دین کی وجہ سے اخر دی مواخذہ ہو گا اگر موت کی وجہ سے میت کا مدیون ہونا ختم ہو چکا ہوتا اور محدود ذمہ داری کا تصور اس کے حق میں مفید ہوتا تو دیون کی عدم ادائیگی کی وجہ سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوتا اس لئے مؤاخذہ اخر دی میت کے مدیون اور ذمہ دار ہونے کی دلیل ہے۔ دوسرا شاہد یہ ہے کہ افلاس کی حالت میں وفات پانے والے مقروض کے قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت نہ ہو تو بعض کبار اہل علم کے نزدیک یہ ذمہ "بیت المال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ بیت المال کے ذمہ میت کے دین کی ادائیگی کا حکم میت کے ذمہ کے بقاء کی دلیل ہے۔

شخص قانونی کی چوتھی نظیر "خلطۃ الشیوع" ہے، فرماتے ہیں کہ خلطۃ الشیوع میں آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک زکوۃ انفرادی حصوں کی بجائے مجموعہ پر آئے گی معلوم ہوا کہ آئمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ ایک شخص قانونی "ہے۔

یہاں بھی مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی علت مشترکہ نہیں پایا جاتا ہے خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: "خلطۃ الشیوع" میں آئمہ ثلاثہ کے ہاں مجموعہ پر زکوۃ ہوتی ہے، پھر ہر شریک کی انفرادی ملکیت پر زکوۃ نہیں ہوتی اور کمپنی کے نظام میں کمپنی پر الگ ٹیکس ہوتا ہے اور۔ شیئرز ہولڈرز پر الگ ٹیکس ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مالی ذمہ داریوں کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، بلکہ واضح فرق ہے[53]۔

نقدی کے وقف کے بارے میں احناف کا اصل مذہب توعدم جواز ہی کا ہے، اس لئے کہ ایسی چیز کا وقف کرنا درست ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی رہ سکتا ہو امام ابو یوسف کا مشہور قول بھی یہی ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن فقہاء حنفیہ میں حضرت امام محمد اس کو عرف و تعامل پر محمول کرتے ہے، اگر کسی منقولی چیز کا عام عوام میں عام رواج ہو تو اس کا وقف درست ہو گا، مثلاً قرآن کریم ہتھیار اور جانور وغیرہ کا وقف معروف ہے اور بلاد روم میں دراہم و دنانیر کے وقف کا رواج تھا اور فتوی امام محمد ہی کے قول پر ہے، امام زفر کی بھی یہی رائے ہے اور ایک قول حضرت امام ابو یوسف کا بھی یہی ہے مالکیہ کا مسلک بھی یہی ہے حنابلہ اور شافعیہ کا بھی ایک ایک قول اس طرح کا ملتا ہے[54]۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اس موضوع پر اچھی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور تفصیلات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، شامی کے بقول یہی صحیح مسلک ہے اور اکثر مشائخ اور فقہاء حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے، دراہم و دنانیر کا انہوں نے خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں ہونے والے شبہات کا دفاع کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ نقود متعین نہیں ہوتے، اس لئے اس کے کچھ حصہ کو سرمایہ کاری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، اس طرح اصل کو حکما قائم رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے۔

ابن عابدین لکھتے ہے: "وإن الدراهم لا تتعين بالتعيين، فهي وإن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها، فكأنها باقية ولا شك في كونها من المنقول"[55]

دراہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اگرچہ ان کا اصل باقی رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں بلکہ عدم تعین کی وجہ سے ان کا قائم مقام دوسرے دراھم بنانا ممکن ہے تو اسکو ایسا سمجھا جائے گا جیسا کہ اسکا اصل باقی ہے۔

ابن عابدین نے اس نقاط میں انہی سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ دراہم و دنانیر کے وقف کے جواز کی رائے امام زفر یا ان کے شاگرد انصاری کی طرف منسوب ہے:

وعن الأنصاري وكان من أصحاب زفر فيمن وقف الدراهم، أو ما يكال أو ما يوزن أيجوز ذلك قال: نعم قيل وكيف قال يدفع الدراهم مضاربة، ثم يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه وما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة أو بضاعة قال فعلى هذا القياس[56]

انصاری سے پوچھا گیا ہے کیا درہم، کیلی یا موزونی چیز وقف کرنا درست ہے فرمایا جی ہاں! پوچھا گیا کہ کس طرح؟ فرمایا کہ دراھم مضاربت پر دیں گے اور اس کا نفع موقوف علیہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام

محمد نے عرف پر مسئلہ کی بنیاد رکھی اور چند چیزوں کا بطور مثال ذکر کیا لیکن اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو مشہور قاعدہ یہ ہے کہ "الضرورۃ تقدر بقدر الضرورۃ" کہ ضرورت کو ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے گا اور منقولی اشیاء میں وقف خلاف قیاس ہے لہذا اس کو دراہم تک محدود رکھا جائیگا۔ دوسری بات امام عابدین لکھتے ہے کہ امام محمد نے دراہم کے جواز کا فتویٰ اہل روم کے عرف کو بنیاد بنا کر دیا تھا لیکن اگر ہمارے علاقون میں روپیہ کو وقف کرنے کا کوئی رواج نہیں لہذا اہل روم کا عرف ہمارے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح وقف ہمیشہ غرباء کے لئے ہوتا ہے اور موقوف علیہ غرباء ہوتے ہیں اور یہاں وقف کرنے والے اور موقوف علیہ دونوں ایک ہے اور دونوں امیر ہے لہذا اس وجہ سے یہ امور قابل غور ہے۔

نتائج بحث وسفارشات:

تکافل کی اس وقت تین ماڈل ہیں۔

1: ھبۃ الثواب

2: وقف

3: التزام تبرع

ہبۃ الثواب ماڈل میں فریقین ایک دوسرے کو ہدیہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں یہ بیع ہی کے ایک قسم ہے اور اسلامی مالیات کے ماہرین میں سے اکثر نے اس ماڈل پر اعتراض کئے ہیں۔ اور اس کی بنیاد مالکیہ کا التزام تبرع کا لزوم ہے کہ جو بھی اپنے اوپر کوئی تبرع لازم کریں تو وہ اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ اس میں چونکہ جانبین کے جانب سے لزوم پایا جاتا ہے اس وجہ سے یہ عقد معاوضہ ہے اور اس بنیاد پر یہ ناجائز ہے۔

وقف ماڈل پاکستان اور انڈیا وغیرہ میں رائج ہے لیکن اس میں بھی وہی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہے جو ہبۃ الثواب میں پائے جاتے ہیں لہذا اگر وقف ہی اس کا بہترین متبادل ہے اگر ان کو کمرشل بنیادوں کے بجائے باہم تناصر اور اخوت کے بنیاد پر قائم کیا جائے مثلا چند افراد مل کر ایک فنڈ قائم کریں اور اس رقم کو کسی حلال کاروبار میں لگائے اور اس کا منافع ایک خاص لوگوں پر جیسا کہ مستحقین جن کو کوئی حادثہ پیش آیا ہو ان کی نقصان کی تلافی ہو یا یتیموں، بیواؤں کے لئے وہ فنڈ قائم کیا گیا ہو اور ان کی ضروریات ان سے پورا کیا جاتا ہو جیسا کہ کئی فلاحی ادارے اس بنیاد پر کام کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ مستحقین کو قرض حسنہ بھی فراہم کر رہا ہو جیسا کہ اخوت ٹرسٹ کر رہا ہے۔

عقود الاذعان بھی عقد کی ایک قسم ہے جس میں خاص شرائط کے ساتھ ایک کاروباری ادارہ ایجاب عام پیش کرتا ہے اور جو افراد اس کمپنی کے خدمات یا مصنوعات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ان تمام شرائط کے مطابق دستاویزاتی کاروائی کر کے مقررہ رقم ادا کرتا ہے اس طرح کمپنی اور ان افراد کے درمیاں ایک معاہدہ طے ہوتا ہے جو ان دونوں

کے درمیاں عقد تصور کیا جاتا ہے اوراس پر عقد کے احکام جاری ہوتے ہیں جیسا کہ ٹیلیفون کمپنی یاپیپسکو، آئیسکو کمپنی کا کنکشن لگوانا یہ سارے عقد کے زمرے میں آتے ہیں اسی طرح تکافل وغیرہ کمپنیوں کو رقم ادا کرتے وقت اس کو باقاعدہ قرض قرار دیا جائے گا اوران پر قرض کے احکام جاری ہوں گے اور قرض کہ بدلے کسی بھی قسم کا اضافہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔

حوالہ جات:

[1] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى:1252ھ)، ردالمحتار على الدر المختار، دار الفكر-بیروت، 1992م، ج4ص170

[2] الحموي أبو العباس، أحمد بن محمد بن علي الفيومي، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، المكتبة العلمية- بیروت،، ج1ص24

[3] أبو الحسين، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، معجم مقاييس اللغة، دار الفكر-بیروت، 1979، ج1ص133

[4] سورۃ یوسف، 64:12

[5] سورۃ یوسف، 17:12

[6] حمد بن حماد بن عبدالعزیز الحماد، عقود التأمين حقيقتها وحكمها، ناشر الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، ص72

[7] محمد تقی عثمانی، تاصيل التأمين التكافلي على اساس الوقف، ص1

[8] ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين الأنصاري الرويفعى الإفريقى، لسان العرب، دار صادر-بیروت، ج11، ص588

[9] حوالہ بالا

[10] الحدید، 57:28

[11] ابن منظور،، لسان العرب، دار صادر-بیروت، ج11، ص588

[12] زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي الرازي، مختار الصحاح، المكتبة العصرية-الدار النموذجية، بیروت، ج1، ص271

[13] ابن منظور،، لسان العرب، دار صادر-بیروت، ج11، ص588

[14] آل عمران، 3:73

[15] Mushtaq Hussain Mehr, conceptual and operational difference between General Takaful and conventional insurance, Australian journal of business and management research, page 24, vol. no 8(23-28)November 2011

[16] اکاونٹنگ اینڈ آڈٹنگ ارگنائزیشن فار اسلامک فائنانشل انسٹیٹوٹس بحرین، المعايير الشرعية، المعايير نمبر26

[17] مفتی عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت، ص73

[18]-23ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ادارہ اسلامیات کراچی، ص25

[19] حوالہ بالا

[20] مروجہ تکافل کا فقہی جائزہ، مفتی محمد راشد، مکتبہ عمر فاروق کراچی، ص37

[21] ڈاکٹر عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی، ص99

[22] ڈاکٹر عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی، ص101

[23] محمد تقی عثمانی، تأصیل التأمین التکافلی علی اساس الوقف، ص4

[24] یوسف بن عبد اللہ الشبیلی، التأمین التکافلی علی اساس الوقف، ص18

[25] الصدیق محمد الامین الضریر، تعقیب تأصیل التامین علی اساس الوقف، ص92

[26] PFT (Participant Takaful fund) کا مخفف ہے۔

[27] ڈاکٹر عصمت اللہ، تکافل میں وقف کا کردار، دارالاشاعت کراچی، ص18

[28] مفتی محمد تقی عثمانی، رسالہ تاصیل التأمین التکافلی علی اساس الوقف والحاجۃ الداعیۃ الیہ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ص36

[29] ایضا، ص36

[30] ایضا، ص37

[31] ایضا، ص39

[32] ایضا، ص41

[33] ایضا، ص41

[34] ایضا، ص42

[35] ایضا، ص44

[36] ایضا، ص45

[37] مفتی عبدالواحد، جدید معاشی مسائل، مجلس نشریات اسلامی کراچی، ص136

[38] وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ–الکویت، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، دارالسلاسل–الکویت، ج26، ص33

[39] وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ–الکویت، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، دارالسلاسل–الکویت، ج26، ص72

[40] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معاررف القرآن کراچی، ص95

[41] اشرف علی تھانوی، امداد الفتاوی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ج۳ ص۴۶۴

[42] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معاررف القرآن کراچی، ص97

[43] حوالہ بالا

[44] حوالہ بالا

[45] السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة، أصول السرخسي، دار المعرفة– بيروت، ج2ص333

[46] أبو محمد، جمال الدين عبد الرحيم بن الحسن بن علي ا، نهاية السول شرح منهاج الوصول، دار الكتب العلمية- بيروت- لبنان، ج1، ص158

[47] اصول الفقہ الاسلامی، المبحث الثالث، شروط القیاس، دار الفکر بیروت، ج1ص644

[48] عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، دار الكتب الإسلامي، ج4، ص197

[49] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي، رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر- بيروت، ج4ص39

[50] صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، دار طوق النجاة، ج3ص96

[51] أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، ج11، ص627

[52] رفقاء دارالافتاء بنوری ٹاؤن، مروجہ اسلامی بینکاری، تجزیاتی مطالعہ، شرعی جائزہ۔، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن کراچی، ص128

[53] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ص73

[54] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي، رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر- بيروت، ج4ص365

[55] حوالہ بالا

[56] حوالہ بالا